دارالعلوم دیوبند کی مرکزیت ایک مسلّمہ حقیقت

دارالعلوم دیوبند کا مختصر تعارف اور اس کی عمومی مرجعیت ومقبولیت کے اسباب

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور دیگر مشاہیر علماء کے قلم سے

جامع ومرتب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۴ر جمادی الآخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۰ فروری ۲۰۱۹ء

فہرست

دارالعلوم دیوبند کی مرکزیت ایک مسلمہ حقیقت

دارالعلوم دیوبند کا مختصر تعارف اور اس کی عمومی مرجعیت ومقبولیت کے اسباب

فصل(۱)

فصل (۲)

فصل (۳)

دارالعلوم دیوبند کی مرکزیت ایک مسلّمہ حقیقت

دارالعلوم دیوبند کا مختصر تعارف اوراس کی عمومی مرجعیت ومقبولیت کے اسباب

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد و علیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین. برحمتک یا أرحم الراحمین.

فصل (۱)

دارالعلوم دیوبند کے قیام کا محرّک

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے علمی وعملی اور اصلاحی ودعوتی کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان میں اسلامی حکومت کے زوال، اکثریت کی حکومت کے قیام کے بعد اسلام کا مستقبل اور زیادہ خطرہ میں نظر آنے لگا انہیں محسوس ہوا کہ اسلامی حکومت کے زوال کے بعد اب کوئی طاقت نہیں جو دین وشریعت کی حمایت اور ملت کی حفاظت کرسکے، کوئی منصب کوئی عہدہ اور وسائل نہیں جو لوگوں پر اثر انداز ہوسکیں، ان کے پاس اگر کوئی سرمایہ ہے تو وہ دین کا سرمایہ ہے، اگر کوئی زادِراہ ہے تو وہ علم کی زادِراہ ہے، اگر کوئی سہارا ہے تو وہ توکل کا سہارا ہے، اگر کوئی ہتھیار ہے تو وہ اخلاص کا ہتھیار ہے چنانچہ وہ اسی دین، علم، توکل اور اخلاص کے سہارے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے طے کیا کہ دین کی حفاظت کے لیے ایسے قلعے تعمیر کریں گے جہاں دین محفوظ رہ سکے اور شریعت جہاں پناہ پاسکے۔ (بصائر ص ۲۶)

اصحاب دارالعلوم دیوبند کی دینی خدمات اور قیام مدارس کے لیے ان کی فکر

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

دینی علوم کی بقاء اور شریعت اسلامی کے تحفظ کے لیے علماء کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ کہ دینی مدارس کا قیام عمل میں لایا جائے، اور مکاتب کا جال ہندوستان کے چپہ چپہ میں پھیلا دیا جائے، چنانچہ انہوں نے اسلامی تشخص کی حفاظت اور مغربی تہذیب وتمدن کے امنڈتے سیلاب اور ہلاکت خیز طوفان کو روکنے اور علماء صلحاء اور واعظین کی ایسی جماعت تیار کرنے کے لیے جو اسلام پر کھوئے ہوئے اعتماد کو بحال کرسکے اور اسلامی تشخص اور دین کے تحفظ کی ضمانت لے سکے مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع کیا۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (م ۱۲۹۷ھ) نے دارالعلوم دیوبند (جس کی بنیاد ۱۲۸۳ھ میں پڑی تھی) کی سرپرستی اور رہنمائی قبول فرمائی، اسی سال شیخ سعادت علی نے سہارنپور میں مظاہر العلوم کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، اس کے بعد ہندوستان میں مدارس کا ایک سلسلہ چل پڑا، اور ہندوستان کے ہر علاقے میں کوئی نہ کوئی مدرسہ وجود میں آتا رہا، اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دینی تعلیم کو عام کرنے، اسلامی ثقافت کو نمایاں کرنے، شرک وبدعت کا زور توڑنے، امت مسلمہ میں دین کی روح پھونکنے اور دلوں میں جہاد وسرفروشی کا جذبہ پیدا کرنے میں ان مدارس کا سب سے بڑا حصہ ہے۔

ان مدارس سے فارغ ہونے والے فضلاء نے نہ صرف یہ کہ عقیدہ کی اصلاح کا کام کیا اور اہل بدعت وضلال سے مناظرہ کرکے ان کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا، بلکہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں کارہائے نمایاں انجام دینے اور وطن کے دفاع اور ملکی سیاست میں قائدانہ رول ادا کرنے اور

ظالم وجابر حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنے کی جسارت کرنے میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے۔

لیکن جس علم کی طرف دارالعلوم دیوبند نے سب سے زیادہ توجہ کی وہ علم علمِ حدیث ہے، حدیث نبوی کی تعلیم دینے اور پورے ادب و احترام اور گہرائی و گیرائی کے ساتھ اس کا تقابلی مطالعہ کرنے اس سے فقہی استدلال کرنے اور مذہب حنفی کو اس سے ثابت کرنے میں دارالعلوم کو امتیازی شان حاصل ہے۔ (بصائرص ۲۶،۲۸)

ہندوستان میں دینی تعلیم کا سب سے بڑا ادارہ دارالعلوم دیوبند

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان میں خالص دینی تعلیم کا سب سے بڑا ادارہ جسے بجا طور پر ''ازہر ہند'' کہا جا سکتا ہے، دارالعلوم دیوبند ہے یہ ادارہ ایک چھوٹے سے مدرسہ کی حیثیت سے جس کی کوئی اہمیت نہ تھی قائم ہوا، لیکن اس کے ذمہ داروں اور مدرسہ کے اساتذہ کے اخلاص، قناعت اور ایثار کی بدولت برابر ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ اس کی حیثیت ایک بڑی اسلامی یونیورسٹی بلکہ براعظم ایشیاء کی سب سے بڑی دینی درسگاہ کی ہوگئی۔

دارالعلوم کا دائرۂ عمل روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا، اس کی شہرت اور اساتذہ دارالعلوم کے تبحر علمی، صلاح وتقویٰ اور فن حدیث وفقہ میں ان کی مہارت خصوصی کے چرچے دور دور پھیل گئے، جن کو سن کر ہندوستان کے مختلف گوشوں اور دوسرے اسلامی ممالک سے کثیر تعداد میں طلباء حصول علم دین کے لیے وہاں آئے، طلباء کی تعداد آج کل (۱۳۸۰ھ) ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ ہے۔

(ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی تجزیہ ص ۱۱۷)

دارالعلوم دیوبند بعض حیثیت سے جامع ازہر مصر پر بھی فائق ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

دارالعلوم دیوبند کے قیام پر ایک صدی سے کچھ زیادہ مدت گزر رہی تھی، دارالعلوم دیوبند محض ایک دینی درسگاہ ہی نہیں (جس کو ازہر ہند کہنا ہر طرح سے درست ہے بلکہ بعض حیثیتوں سے وہ مصر کے جامع ازہر پر بھی فائق ہے) اصلاح عقائد اور اشاعت کتاب وسنت کی تاریخ ساز دعوت ہے، وہ درحقیقت خاندان ولی اللٰہی ہی کے تجدیدی کارنامے کا امتداد اور تسلسل ہے، جس میں (زمانہ وحالات کی تبدیلی اور انقلاب سلطنت کے پیش نظر) ملت کے بچے کھچے دینی سرمایہ کی حفاظت اور اس کے لیے ایک بڑے مرکز کی تاسیس وترقی کی حکمت عملی اور اقدامی کوششوں کے میدان تنگ ہوجانے کی بناء پر (عارضی طور پر) دفاعی وحفاظتی پوزیشن اختیار کی گئی، جس کے محرکات وموجبات کا سمجھنا ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی سنگینی اور اس کے وسیع وعمیق اثرات کا جائزہ لیے بغیر ممکن نہیں۔ (مقدمہ، زندہ رہنا ہے تو میر کارواں بن کر رہو، مطبوعہ مکتبہ حراء ٹیگور مارگ لکھنؤ ص ۳)

دارالعلوم دیوبند اسلامی تہذیب وثقافت کا سب سے بڑا مرکز ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اپنی مشہور کتاب ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' میں عنوان ''دینی قیادت اور دارالعلوم دیوبند'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

......اس پیچیدہ نفسیاتی کیفیت اور نازک حالت میں دو قسم کی قیادتیں ابھر کر سامنے آئیں، پہلی قیادت جس کے علمبردار علمائے دین تھے۔ جہاں تک علماء کا تعلق ہے ان کو رسوخ فی الدین، جہد وتقویٰ، ایثار واخلاص، دینی غیرت وحمیت اور اس کی راہ میں قربانی کے میدان میں

عالم اسلام کی سب سے طاقتور دینی شخصیت اور عنصر قرار دیا جا سکتا ہے............انہوں نے اس کی فکر شروع کی کہ دینی جذبہ، اسلامی روح، اسلامی زندگی کے مظاہر اور تہذیب اسلامی کے جتنے بچے کھچے آثار باقی رہ گئے ہیں ان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے، اور اسلامی تہذیب اور ثقافت کے لیے قلعہ بندیاں کر لی جائیں، اور پھر ان قلعوں میں (جن کو عربی مدارس کے نام سے پکارا گیا ہے) مبلغ اور داعی تیار کیے جائیں۔

اس عظیم اصلاحی اور تعلیمی تحریک کے سربراہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند تھے۔

اس تحریک اور اس کے قائدین نے ہندوستانی مسلمانوں کے اندر دین کی محبت، شریعت کا احترام، اور اس کے راستے میں قربانی کی طاقت اور مغربی تہذیب کے مقابلہ میں زبردست استقامت وصلابت (جو کسی اور ایسے اسلامی ملک میں دیکھنے میں نہیں آئی جس کو مغربی تہذیب اور مغرب کے اقتدار سے واسطہ پڑا ہو) پیدا کر دی، دیوبند اس رجحان کا علمبردار اور ہندوستان میں قدیم اسلامی ثقافت وتہذیب وتربیت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ (مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ص ۸۸و۹۰)

ہندوستانی مسلمانوں کی دینی زندگی پر دارالعلوم دیوبند کے نمایاں اثرات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستانی مسلمانوں کی دینی زندگی پر دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی اصلاحی کوششوں کے نمایاں اثرات رونما ہوئے ہیں، بدعات ورسوم کی اصلاح، عقائد کی درستی، تبلیغ دین اور فرقہ ضالہ سے مناظرہ وغیرہ میں ان حضرات کی جدوجہد لائق تحسین ہے، متعدد فضلاء نے سیاسی میدان اور وطن عزیز کے دفاع کے سلسلہ میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے اور حق گوئی وبے باکی میں علماء سلف کی یاد تازہ کر دیں۔

تمسک بالدین، مسلک احناف کی سختی سے پابندی، اسلاف کی روایات کی حفاظت اور سنت کی مدافعت دیوبند کا شعار ہے۔

(ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی تجزیہ ص۱۱۹)

دارالعلوم دیوبند کی عالمی وآفاقی مقبولیت ومحبوبیت

علامہ سید رشید رضا مصری کا تأثر واعتراف

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

علم حدیث میں دارالعلوم دیوبند کی خدمات اور وہاں کے اساتذہ کے علم وفن کا اعتراف شیخ محمد عبدہٗ کے شہرۂ آفاق شاگرد اور اپنے وقت کے نامور خطیب وعالم علامہ سید رشید رضا مصری صاحب مجلّہ ''المنار'' نے خود اپنے ہندوستان کے دورہ کے موقع پر کیا ہے، ہندوستان کے اس سفر میں جب وہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور وہاں کا روح پرور منظر دیکھا تو بے ساختہ ان کی زبان سے یہ نکلا

''اگر میں نے یہ ادارہ نہ دیکھا ہوتا تو میں ہندوستان سے ناکام ونامراد واپس جاتا''

اور جب دارالعلوم کے استاذ حدیث علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے حلقۂ درس میں انہیں شرکت کا موقع ملا تو وہ یہ اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے کہ ''اس جیسا عالم میں نے کبھی نہیں دیکھا'' انہوں نے ''مفتاح کنوز السنۃ'' کے اپنے مقدمہ میں تحریر فرمایا کہ:

''اگر ہندوستانی علماء نے اس زمانہ میں علم حدیث سے اسعل پیدا نہ کیا ہوتا تو یہ علم مشرق سے ناپید ہو جاتا، مصر وشام اور عراق وحجاز میں دسویں صدی ہجری سے اس علم میں انحطاط شروع ہو گیا تھا اور چوتھی صدی ہجری میں یہ انحطاط اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا''

(بصائر ص ۲۸)

دارالعلوم دیوبند کا فیض مختلف ملکوں اور دنیا کے کونے کونے میں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

دارالعلوم دیوبند سے تحصیل علم کر کے نکلنے والوں کی تعداد (۱۳۸۰ھ تک) دس ہزار سے بھی زیادہ ہے جن میں پانچ ہزار وہ فارغ التحصیل علماء ہیں جنھوں نے سند فراغ حاصل کی، بیرون ہند کے فارغین کی تعداد (۱۳۸۰ھ تک) پانچ سو ہے، جن میں یاغستان، افغانستان، خیوا، بخارٰی، قازان، روس، آذربائیجان، مغرب اقصیٰ، ایشیائے کوچک، تبت، چین، جزائر بحرالہند، حجاز، اور دوسرے ملکوں کے طلباء شامل ہیں۔

(ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی تجزیہ ص ۱۱۹)

حجاز مقدس کی سرزمین میں دارالعلوم دیوبند کا فیض

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

مصلح امت، محدث جلیل مولانا سید حسین احمد مدنی نے .... حدیث کا درس شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے لیا، اور ایک مدت تک ان کی صحبت میں رہے، پھر مدینہ منورہ گئے اور صدق واخلاص، توکل وقناعت اور زہد وتقشّف کے ساتھ وہاں کچھ عرصہ گذارا، پھر ہندوستان تشریف لائے اور کچھ ہی مدت کے بعد ۱۳۲۰ھ میں پھر حجاز مقدس روانہ ہوگئے، مدینہ منورہ میں آپ نے رضا کارانہ طور پر حدیث نبوی کی تعلیم دی، اور حدیث نبوی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کو وہاں تفسیر وفقہ کی تدریس کی سعادت حاصل ہوئی۔ (بصائر ص ۲، ۳)

حجاز مقدس میں دارالعلوم دیوبند کا دوسری نوعیت کا فیض

۱۳۴۴ھ میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی، علامہ سید سلیمان ندویؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ پر مشتمل ایک وفد حجاز مقدس پہنچا، اس وفد نے امیر ابن سعود سے ملاقات کی، سلطان ابن سعود کی زیر نگرانی اس وفد کی سید رشید رضا مصری اور عالم عرب کے دیگر کبار علماء ومفتیان کرام مثلاً شیخ عبدالعزیز العتیقیؒ وغیرہ سے مختلف موضوعات پر بحثیں ہوئیں، مثلاً مآثر شریفہ، انہدام قبہ ہائے مزارات صحابہ وغیرہم، غلاف کعبہ، اخراج نصارٰی از جزیرۃ العرب اور اس کے علاوہ دیگر موضوعات سے متعلق مختلف مجالس میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے پختہ مضبوط علمی دلائل پیش کیے جن میں متعدد مسائل میں علمائے عرب نے ان کے دلائل کو تسلیم کیا اور اپنی سابقہ رائے بدلنے پر مجبور ہوئے۔

''حیات عثمانی'' کے مصنف جناب پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی پوری تفصیل ذکر کرنے کے بعد اخیر میں جائزہ اور تجزیہ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:

(۱) آپ کی تقریروں نے ابن سعود کو سخت متاثر کیا اور قبر پرست مسلمانوں اور یہود ونصارٰی میں سلطان نے جو امتیاز قائم نہ رکھا تھا اس کو صحیح راہ دکھائی، جس سے سلطان اپنے موقف سے ہٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور مولانا عثمانی کے سامنے ہتھیار ڈالتے نظر آتے ہیں۔

(۲) شیخ عبدالعزیز عتیقی اور حافظ وہبہ علامہ عثمانی کی تقریر پر داد دیتے نظر آتے ہیں اور مولانا سید سلیمان ندوی بھی اس تحسین میں ہمنوا ہیں۔

(۳) شیخ عبدالعزیز عتیقی کی روایت کے مطابق کہ انہوں نے کہا کہ سلطان مولانا عثمانی کی تقریروں سے بہت محظوظ ہوئے اور ان کی تقریروں کے نوٹ بھی لیے، عتیقی صاحب نے علامہ کی تقریر سن کر یہ کہا کہ: ''اس قسم کے مضمون ہم نے پہلی مرتبہ سنے ہیں''۔

(۴) نجد کے مشہور اور حجاز کے جید عالم ابن بلیہد بھی بغلیں جھانکتے نظر آتے ہیں، اور علامہ عثمانی کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ جاسکی۔

(۵) ۳۰ ر ذی القعدہ کو جو عبداللہ بن بلیہد کے یہاں دعوت میں مدعو کیے گئے تو وہاں بھی آں موصوف مسئلہ مجادلہ پر روشنی ڈالتے نظر آتے

ہیں جونہایت ہی کامیاب بصیرت کے ساتھ پیش کی ہے۔

(۶) ۴؍ذی الحجہ کی میٹنگ میں غلاف کعبہ کی تائید میں شیخ عبداللہ شیبی کو اپنی مدلل تقریر سے پسپا کرتے نظر آتے ہیں، اور ساتھ میں مولانا محمد علی جوہر کو بھی ساکت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

(۷) جزیرہ عرب سے انگریزوں کو نکالنے کے سلسلے میں روس کے علماء کے رئیس الوفد سے بحث کرتے نظر آتے ہیں، اور اپنی قوت استدلال کے سامنے ان کا سر جھکا دیتے ہیں۔

یہ ہے وہ مختصر سا جائزہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء دنیائے اسلام پر آپ کی (علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دیوبندیؒ کی) دھاگ بیٹھ چکی تھی۔
(حیات عثمانی ص ۲۵۰، ۲۵۱، مطبوعہ عثمانی تحقیقی وتصنیفی ادارہ دیوبند)

دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور ان جیسے مدارس کی کامیابی اور مقبولیت کا راز ان اداروں نے وہ کارنامے انجام دیئے جو بڑی بڑی سلطنتیں بھی انجام نہیں دے سکیں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

علم دین عام کرنے، دینی ماحول پیدا کرنے، دینی شعور بیدار کرنے اور اسلامی جذبہ سے دلوں کو سرشار کرنے میں دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم اور ملک کے دوسرے مدارس کو جو تعجب خیز کامیابی حاصل ہوئی اس کا راز یہ ہے کہ انھوں نے کبھی حکومت کی مدد اور سرپرستی قبول نہیں کی اور سادگی و قناعت، ایثار و قربانی اور زہد و مجاہدہ کی مضبوط و مستحکم بنیادوں پر اپنی عمارت تعمیر کی اور اسی پر قائم رہے، اور یہ وہ بنیاد تھی جس نے ان کے اندر قوت عمل اور مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کی، اسی کے ساتھ ساتھ طبعی طور پر ان مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء سرکاری ملازمتیں حاصل کرنے اور اعلیٰ تنخواہیں پانے کی لالچ سے محفوظ رہے، کیونکہ وہ ان مدارس کی سند رکھتے تھے جن کی سند سرکاری محکموں میں تسلیم شدہ نہیں تھی، چنانچہ ان طلباء نے سرکاری ملازمتوں سے بے نیاز اور اعلیٰ تنخواہوں سے بے پرواہ ہو کر دین کی دعوت و تبلیغ اور عوام کی فلاح و بہبود کو اپنا میدان عمل بنایا، اس طرح دین کے وہ داعی سامنے آئے جن کا مقصد صرف دین کی دعوت، جن کی آرزو صرف رب کی خوشنودی، اور جن کا نصب العین صرف آخرت کی کامیابی تھا، یہ جو کام کرتے تھے رضا کارانہ کرتے تھے، کفاف پر قانع رہتے تھے، دعوت و تبلیغ کے علاوہ کوئی خیال دل میں نہ لاتے تھے، عوام سے ان کا براہ راست تعلق تھا، اور مدارس و مساجد ان کی دعوت و افادہ کا مرکز، انھوں نے اپنے اخلاص کی برکت، ایثار کی طاقت اور جذبہ کی قوت سے وہ اصلاحی کارنامے انجام دیے جو بڑے بڑے ادارے تو کجا بڑی بڑی سلطنتیں بھی اپنے جملہ وسائل استعمال کرنے کے بعد بھی انجام نہیں دے سکیں۔
(بصائر ص ۳۹ و ۴۰)

دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں دارالعلوم دیوبند کا فیض نہ پہنچا ہو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء) میں جب دارالعلوم دیوبند قدیم و وقف دونوں جگہ تشریف لائے اور اپنے عمومی خطاب میں دارالعلوم دیوبند کی عالمی و آفاقی مقبولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے خود اس شہر کی نسبت سے مشرف فرمایا ہے، جس شہر نے صرف ہندوستان میں نہیں برصغیر میں نہیں، پوری دنیا میں علم اور دین کا نور پھیلایا ہے، مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کے تقریباً ہر خطے کا سفر کروایا، اور دنیا کے چھ برِّ اعظم میں سے کوئی برِّ اعظم ایسا نہیں جہاں مجھے بار بار جانے کا اتفاق نہ ہوا ہو اور وہاں کے لوگوں سے ملاقات اور وہاں کے حالات سے واقفیت کا موقع اللہ تبارک وتعالیٰ نے نہ دیا ہو، لیکن اس دنیا میں جہاں جہاں مسلمان

آباد ہیں، کوئی جگہ مجھے ایسی نہیں ملی جہاں دیوبند کی روشنی نہ پڑی ہو اور جہاں دیوبند اور فرزندان دارالعلوم کوئی نہ کوئی عظیم دینی خدمت انجام نہ دے رہے ہوں۔

ایک مرتبہ میرے میزبان انڈونیشیا کے دور دراز پہاڑی علاقہ میں مجھے لے گئے، لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ ہنگاموں سے ہٹ کر چند لمحات تفریح کے بھی گذارے جائیں، ایک پہاڑی مقام تھا وہاں گھومنے کے لیے نکلے، نماز کا وقت ہونے والا تھا، میں نے چند ساتھیوں سے کہا کہ مجھے مسجد میں لے جائیں، مسجد میں جا کر نماز مغرب پڑھی تو جو صاحب امامت فرما رہے تھے وہ دارالعلوم دیوبند کے فرزند تھے، ایشیاء ہو یا افریقہ، امریکہ ہو یا یورپ، لاطینی امریکہ ہو یا آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ہو یا دنیا کا کوئی اور ملک، کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں دارالعلوم دیوبند کے فرزندان اس سے بالواسطہ یا بلاواسطہ فیض حاصل کرنے والے کوئی نہ کوئی عظیم دینی خدمات انجام نہ دے رہے ہوں، اللہ جل جلالہ کی قبولیت اور ہی چیز ہے، وہ چاہے تو خاک کے ایک ذرے کو آفتاب و مہتاب بنادے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیوبند کی خاک کو ایسی ہی مقدس اور ایسا ہی ایمان افروز بنایا کہ جہاں جہاں اس کا نور پہنچا ہے وہاں وہاں اس کی روشنی پھیلی ہے، وہاں کے لوگ دیوبند سے واقف ہیں۔

ہم عرب ممالک میں جاتے ہیں، عرب علماء سے ملتے ہیں ان سے جب ہندوستان کے کسی بڑے شہر کا نام پوچھتے ہیں تو سوائے دلی اور بمبئی کے اور کسی بڑے شہر کا نام نہ لے سکیں گے لیکن اگر ان مشہور شہروں کے بعد کسی شہر کو اگر وہ جانتے ہیں تو وہ دیوبند ہے، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس کے شکر ادا کرنے کا حق تو ادا ہو ہی نہیں سکتا کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے مجھے نسبی اعتبار سے بھی، وطنی اعتبار سے بھی، دیوبند سے نسبت عطا فرمائی۔ (خطبات دورۂ ہند، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

(مرتبہ مولانا سعادت اللہ خاں قاسمی صاحب، ص ۸۹)

دارالعلوم دیوبند کو عالمی قیادت کا مرتبہ کیسے ملا؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ارشاد فرماتے ہیں:

ایسی اور بہت سی درسگاہیں بھی ہیں جس میں طلباء کی تعداد بھی زیادہ ہے، درسگاہیں بھی بڑی عظیم ہیں، اساتذہ بھی بڑے قابل ہیں، لیکن کس چیز نے دیوبند کو دیوبند بنایا؟ کس چیز نے دیوبند کو عالمی قیادت کا مرتبہ عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے درجات کو بلند فرمائے، میں ان کے الفاظ نقل کرتا ہوں، وہ فرمایا کرتے تھے:

’’دیوبند کو دیوبند بنانے والی چیز صرف ایک ہے، وہ چیز دین کی صحیح تعبیر، دین کا صحیح تصور، دین کے اوپر اعتدال والا عمل جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس خاک کے بوریہ نشینوں کو عطا فرمایا، وہ بڑے سے بڑے علماء و محققین میں نظر نہیں آتا، میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عرب ممالک میں بڑے بڑے محقق علماء بھی دیکھے، تحقیق و تدقیق کے شناور بھی دیکھے، فصاحت و بلاغت کے شہسوار بھی دیکھے، لیکن وہ البیلا رنگ جو میں نے اپنے دیوبند کے اکابر کے اندر پایا ساری دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آیا، اور فرماتے تھے کہ میں نے اپنے اکابر کو جس طرح پایا، دین وسنت کی جو تعبیر انہوں نے اپنے قول ہی سے نہیں بلکہ اپنے طرز عمل سے اپنی زندگی کی اداؤں سے، دنیا کے سامنے پیش کی ہے وہ نظیر کہیں دنیا میں اور نظر نہیں آئی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ’’ما أنا علیه و أصحابی‘‘ کی مجسم تفسیر میرے ان اکابر کو بنایا تھا، اور کبھی کبھی یہ بھی فرماتے تھے:

اُولٰئِکَ اٰبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ   اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعَ

(خطبات دورۂ ہند، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

(مرتبہ مولانا سعادت اللہ خاں قاسمی صاحب، ص ۹۰)

دارالعلوم دیوبند کی بنیادی خصوصیت، اوردیوبندیت کا صحیح معیار

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ارشادفرماتے ہیں کہ میرے والدصاحب فرمایا کرتے تھے:

دیوبند کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ درحقیقت وہ اللہ والے تھے جو" ما انا علیه و أصحابی "کی صحیح تفسیر تھے، آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ دین کے پانچ شعبے ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق، ان پانچوں شعبوں کے مجموعہ کا نام دین ہے، عقائد سے لے کر اخلاق تک پانچوں شعبوں میں ہمارے اکابر نے ایک معتدل مزاج اپنی تحریروتقریر سے بھی اوراپنی عملی زندگی سے بھی پیش کیا ہے۔

آپ اہل سنت کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں وہ علمائے دیوبند کا مسلک ہے اورصحیح قرآن وحدیث سے جوعقائد ثابت ہیں وہ اٹھا کر دیکھ لو وہ مسلک علمائے دیوبند ہے، عقائد میں بھی اعتدال، عبادات میں بھی اعتدال، اور معاملات میں بھی اعتدال، معاشرت میں بھی اعتدال، اخلاق میں بھی اعتدال، ....

دین نام ہے ہر چیز میں اعتدال کا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز میں ہمیں کچھ حدود بتائی ہیں، تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ (سورہ نساء آیت ۱۳) ان میں سے ہر چیز کی حد مقرر ہے، کسی سے اختلاف ہے تو اختلاف کی بھی حد ہے، کسی سے محبت ہے تو محبت کی بھی حد ہے، کسی پر اعتماد ہے، عقیدت ہے تو اس عقیدت کی بھی حد ہے، ہر چیز ایک حد کی پابند ہے، ان حدود سے جو چیز متجاوز ہوتی ہے وہ بدعت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، کبھی گمراہی کی شکل اختیار کر لیتی ہے، کبھی کوئی فرقہ بن جاتی ہے، یہ دین خود حدود کی حفاظت کا نام ہے، اوران حدود کی حفاظت کے ذریعہ جب ہم دنیا کے سامنے کوئی عمل وکردار پیش کریں گے تو وہ درحقیقت قابل تقلید ہوگا، وہ درحقیقت دیوبند کے اکابر کی صحیح نمائندگی ہوگی، اوراگر ہم نے ان حدود کی پابندی نہ کی تو پھراس کے معنی یہ ہیں کہ ہم دیوبند کی خصوصیت کو نہ سمجھ سکے اوراس کو اپنی زندگیوں میں نہ ڈھال سکے، اوراس کے مطابق دیوبند کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے نہ پیش کر سکے، تو ہمیں اگر دیوبند کی طرف نسبت کرنی ہے تو بھائی ذرا محتاط ہونا پڑے گا، اگر ہم دعویدار ہیں دیوبند سے نسبت کے، چاہے علمی نسبت ہو یا عملی نسبت ہو تو ہمیں اپنے اخلاق وکردار کا جائزہ لینا پڑے گا، اور ہر چیز کو اس کی حد میں رکھنا پڑے گا۔

(خطبات دورۂ ہند، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

(مرتبہ مولانا سعادت اللہ خاں قاسمی صاحب، ص ۹۰و۹۴)

دارالعلوم دیوبند میں فن حدیث کی ایسی خدمت کہ اسلامی ممالک میں اس کی مثال نہیں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستانی مسلمانوں نے علم حدیث کی طرف خصوصی توجہ کی اور اس میں امتیاز پیدا کیا اور آخر کی دو اسلامی صدیوں (تیرہویں اور چودھویں ہجری، انیسویں، بیسویں صدی عیسوی) میں تو وہ سارے عالم اسلام کا مرکز اوراس فن میں ملجا وماویٰ بن گیا، اب بھی جس اہتمام اور تفصیل کے ساتھ یہ فن اس کے دینی مدارس میں بالخصوص دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم ندوۃ العلماء، مرکز دارالعلوم بنارس اور بعض دوسرے مدارس میں پڑھایا جاتا ہے اس کی عرب اوراسلامی ممالک میں بھی مثال نہیں، اس موضوع پر تصنیف وتالیف اور تدوین وتحقیق کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور یہاں بعض ایسے علماء پائے جاتے ہیں جن کی نظیر بیرون ہند میں ملنی مشکل ہے۔

(ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں ص ۱۲۷)

فن حدیث سے متعلق علمائے دیوبند کی بعض خدمات کو دیکھ کر

علامہ زاہدالکوثری کا تأثر اوراعتراف

ماضی قریب میں علمائے ہند میں سے ہمارے اکابر علمائے دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے حدیث شریف کی خدمت کی ایسی توفیق عطافرمائی جن کی خدمات جلیلہ کو دیکھ کر عرب علماء کو بھی رشک آیا، اور بجا طور پر انہوں نے بھی علماء ہند کی اس خدمت کو سراہا، علامہ زاہدالکوثریؒ نے تو ایک مقالہ ہی اسی موضوع پر تحریر فرمایا " حـظ العـلـماء الهندية فى خدمة الأحاديث النبوية" (یہ مقالہ مصر میں مجلّہ "الاسلام" ۳۷ ۱۳ھ میں شائع ہوا) موصوف نے اپنے مقالہ میں علماء ہند کی فن حدیث سے متعلق خدمات کو بہت سراہا اور اعتراف کیا ہے، خاص طور پر محدث کبیر علامہ خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی " بـذل الـمـجهـود شـرح أبو داؤد"، محدث جلیل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کاندھلوی کی، "أوجـز الـمسالك شرح موطا مالك"، محدث کبیر اور فقیہ جلیل حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی "إعلاء السنن" اس کے علاوہ چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں "امانى الأحبار شرح معانى الآثار"وغیرہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

علامہ زاہدالکوثریؒ مؤخرالذکر کتاب "اعلاء السنن"کو دیکھ کر اپنے تاثر کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

"ہر باب سے متعلق حدیثوں کے استقصاء واستیعاب اور ہر ہر حدیث پر متن وسند کے لحاظ سے محدثانہ کلام، قطع نظر اس سے کہ آیا ان کے مذہب کے موافق ہے یا خلاف، ایسا منصفانہ اور محققانہ کلام دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور اس عظیم کارنامہ کو دیکھ کر مجھے رشک آنے لگا۔

"الـحق يقال إنى دهشت من هذا الجمع وهذا الإستقصاء، ومن هذا الإستيفاء البالغ فى الكلام على كل حديث بما تقتضى الصناعة متناً و سنداً من غير أن يبدوا عليه آثار التكلف فى تائيد مذهبه بل الإنصاف، رائده عند الكلام على آراء اهل المذاهب، فاغتبطت به غاية الإغتباط" (اعلاء السنن ص۶ ج۱)

شیخ عبدالفتاح ابوغدّہ کا تأثر اوراعتراف

ہمارے اکابر کی فن حدیث سے متعلق ان خدمات جلیلہ کو دیکھ کر شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے اپنے عجیب تاثرات کا اظہار فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

"فن حدیث شریف کے اصول ومبادی اور اس سے متعلقہ دیگر علوم وفنون میں علماء حدیث نے اس قدر کتابوں کا ذخیرہ اور اپنی تصانیف میں ایسی تحقیقات جمع کردی ہیں، جن کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اس فن کے تمام گوشوں کو اس طرح احاطہ میں لے لیا ہے کہ بحث کا کوئی گوشہ اب باقی نہیں رہا اور بعد والوں کے لیے اس سے زائد کی اب گنجائش نہیں، نیز بعد والوں کے لیے مزید کسی استدراک اور خلاء کو پر کرنے کی بھی ضرورت نہیں، لیکن علماء ہندو پاکستان نے اخیر زمانہ میں فن حدیث کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں (اوران کی جو شروحات اعلاء السنن، فتح الملہم وغیرہ منظر عام پر آئی ہیں) ان کو دیکھنے کے بعد ہمارا مذکورہ بالا نظریہ غلط ثابت ہوجاتا ہے، ہم کو ان کے یہاں ایسی جدید تحقیقات، مفید معلومات، نادر نسخے ملتے ہیں جن کو دیکھ کر امام ابن مالک نحوی کا مقولہ یاد آتا ہے کہ: علوم الٰہیہ جب حق تعالیٰ کا خصوصی عطیہ ہے تو حق تعالیٰ کے فضل وعطا کو کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں کیا جاسکتا، کوئی بعید نہیں کہ بہت سے متاخرین کو علوم وفنون میں وہ مقام حاصل ہوجائے اوران کی رسائی وہاں تک ہوجائے جہاں تک علمائے متقدمین کی رسائی دشوار تھی"۔

(مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اعلاء السنن ص۳ ج۱)

شیخ یوسف علامہ القرضاوی دامت برکاتہم کا تأثر واعتراف

شیخ یوسف القرضاوی دامت برکاتہم نے فن حدیث کے سلسلہ میں علمائے ہند کی خدمات کا خصوصاً ''**بذل المجهود شرح ابو دائود، اوجز المسالک شرح موطا امام مالک**'' کا تذکرہ فرمایا ہے اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی ''**فتح الملهم**'' اور اس کا تکملہ جس کو شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ مسلم شریف کی تمام شروحات کے مقابلہ میں اس شرح فتح الملہم کو حدیثی وفقہی اور دعوتی وتربیتی اور دیگر موضوعات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے موسوعۃ (انسائیکلوپیڈیا) کا مصداق قرار دیا ہے، اور اب تک کی قدیم وجدید مسلم شریف کی تمام شروحات کے مقابلہ میں اس شرح کی اہمیت وافادیت کو بیان فرمایا ہے، اور اس سلسلہ میں مختلف مباحث سے متعلق متعدد مثالیں بھی ذکر فرمائی ہیں۔

''وقد كان لعلماء شبة القارة الهندية – التى تشتمل اليوم الهند و باكستان وبنجلاديش –نصيب وافر من خدمة السنة: تحقيقا وتخريجا وتعليقاً وشرحا ونشراً ، وكان لهؤلاء العلماء الأجلاء فى مجال الشرح والتعليق لكتب السنة المعروفة والمتداولة سهم وافر، ونصيب مرقوق، وخصوصاً الكتب الستة والمؤطا ومشكوٰة المصابيح وغيرها............... لقد رأيت شروحاً عدة لصحيح مسلم، قديمة وحديثة ، ولكن هذا الشرح للعلامة محمد تقى هو أولاها بالتنويه، وأوفاها بالفوائد والفرائد، وأحقها بأن يكون هو (شرح العصر) للصحيح الثانى ، فهو موسوعة بحق، تتضمن بحوثاً وتحقيقات حديثية، وفقهية، ودعوية وتربوية'' (تکملہ فتح الملہم ص ۱۱و۱۳، جلد ۷)

بذل المجہود شرح ابوداؤد، اوجز المسالک شرح موطا امام مالک، فتح الملہم شرح مسلم وغیرہ ہمارے اکابر کی شروح حدیث کی وہ کتابیں ہیں جو تمام بلاد عرب وعجم میں اصحاب علم وفقہ کے لیے اس طرح مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں جس طرح فتح الباری، شرح مسلم للنووی وغیرہ کہ سارے عالم میں اصحاب حدیث وفقہ کے لیے اور علماء وطلباء کے لیے وہ قابل استفادہ ہیں، اس طرح ہمارے اکابر کی ان شروحات کا فیض بھی الحمد للہ سارے عالم میں جاری ہے، اور مزید سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی دارالحدیث کے متعلق علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بلند کلمات

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ ''معارف'' کے شذرات میں تحریر فرماتے ہیں:

چند سال سے دیوبند کے مدرسہ عالیہ کے احاطہ میں دارالحدیث کے نام سے ایک عظیم الشان عمارت زیر تعمیر ہے، بعض بزرگوں نے نیک نیتی سے اس نام ونمود اور نمائش کی تعمیر کو دیوبند کے روایات اور رسوم قدیم کے خلاف سمجھ کر اعتراض کیا ہے، اس کے جواب میں ایک مطبوع رسالہ ہمارے پاس آیا ہے۔

سوال و جواب اور قال اقول سے قطع نظر کر کے سوال ہے کہ اگر ایک شہر میں ایک اسلامی اسکول کے لیے کئی کئی ہزار روپیہ کی عمارت کی ضرورت ہے تو کیا سارے ہندوستان کے لیے کئی ہزار اگر عربی درسگاہ کے لیے لگ جائے تو کیا نقصان ہے، اسلام کی عمر ہندوستان میں ایک ہزار برس ہے، اس تمام عمر میں اس وسیع خطۂ ارض میں کبھی کوئی دارالحدیث قائم نہ ہوا، حالانکہ اس سے کم عرصہ میں مصر وشام وقسطنطنیہ کو کئی دارالحدیث کے قیام کا فخر حاصل ہے، اگر دیوبند کی یہ عمارت تکمیل کو پہنچ جائے تو ہندوستان کے ناصیۂ اسلام سے بدنامی کا ایک بڑا داغ مٹ جائے۔

(رسالہ معارف مئی ۱۹۱۷ء ص ۲)

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ سکۂ رائج الوقت ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شہادت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند کے موقع پر خطاب عام میں ارشاد فرمایا:

''میرے عزیزو! آج اس سے بہتر کوئی موقع نہیں، آج یہاں قائدین ملت جمع ہیں، آج یہاں مجلس مشاورت کے لوگ جمع ہیں، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے داعی یہاں جمع ہیں، اور علماء دیوبند جن کا فتویٰ سکّہ رائج الوقت کی طرح چلتا ہے، اور الحمدللہ ہمیں یہ کہنے میں فخر محسوس ہوتا ہے کہ یہاں سے لے کر سوڈان تک، ترکستان تک یہاں کا فتویٰ چلتا ہے، اور مسلمان اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے جب تک علماء دیوبند کا فتویٰ ان کے سامنے نہ آجائے۔

(اقتباس تقریر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند، یہ تقریر حضرت کی آواز میں احقر کے پاس محفوظ ہے)

فقہ وفتویٰ کے میدان میں دارالعلوم دیوبند کو قیادت کا مقام اور اس کے فتوے کو سند اعتبار حاصل ہے

قاضی مجاہد الاسلامؒ کی شہادت

حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ ''منتخبات نظام الفتاویٰ'' کے مقدمہ میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، آپ ایک طویل مدت سے دارالعلوم جیسے عظیم دینی ادارہ -جس کی شہرت ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، اور اسے فقہ وفتاویٰ کے میدان میں بلاشبہ قیادت کا مرتبہ حاصل ہے، مزید برآں اس ادارہ سے نکلنے والے علماء اور علمی تحقیقات کو سند اعتبار حاصل ہے- سے وابستگی رکھتے ہیں''۔ (مقدمہ منتخبات نظام الفتاویٰ)

الحمدللہ یہ سلسلہ ان اداروں میں اب تک قائم اور برابر جاری ہے

قاضی مجاہد الاسلامؒ کی شہادت

فقیہ وقت حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے منشا کی تشریح وتوضیح اپنے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حوالہ کی، ''لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ'' (النحل آیت ۴۴)

(ترجمہ) آپ لوگوں پر ان ہدایات کو اچھی طرح واضح کردیں جو ان کی طرف بھیجی گئی ہیں

یہ بیان ووضاحت کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر عہد کے علماء وارباب افتاء کے حصہ میں آتی رہی اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مفتی گویا خود شارع کا نائب ہے، اور شارع ہی کی طرف سے احکام شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، اسی لیے علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ فتویٰ دینے میں وہ کس کا قائم مقام ہے۔''**ولیعلم المفتی عمن ینوب فی فتواہ**'' (اعلام الموقعین ص ۱۱ ج ۱)

اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مفتی اللہ ہی کی جانب سے رائے کا اظہار کرتا ہے، ''**المفتی موقع عن اللہ تعالیٰ**'' (مقدمہ شرح مہذب ص ۴۰ ج ۱)

(ماخوذ از پیش لفظ مجموعۃ الفتاویٰ، فتاویٰ سید محمد امین حسنی نصیر آبادی ص ۱۷)

حضرت قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی دور اور کسی زمانہ کے علماء دین اپنے دور اور اپنے زمانہ کے تقاضوں کی حقیقی تکمیل اور پیش آمدہ مسائل کے صحیح حل میں ہمت ہار جائیں، غفلت کی چادر اوڑھ کر سو جائیں، اور جمود ان پر طاری ہو جائے؟ جب پچھلے دور میں ایسا نہیں ہوا (اور کسی ابدی دین کے ساتھ ایسا معاملہ پیش بھی نہیں آسکتا) اور ہر زمانہ کے علماء اپنے زمانہ کے حالات اور مسائل سے واقف ہو کر رہبری اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے، تو اس زمانہ کے علماء کو بھی اپنے زمانہ کی ضرورتوں سے واقف ہونا پڑے گا۔

نابغۂ روزگار عالم دین مولانا سید سلیمان ندویؒ اپنی وفات سے چند ماہ بیشتر جب پاکستان سے ہندوستان تشریف لائے تو بار بار فرماتے کہ:

''اس وقت نئے نئے مسائل سامنے آرہے ہیں اور ایسے علماء کی ضرورت ہے جو ان مسائل کا تشفی بخش جواب دے سکیں، اس لیے فقہ کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ کرنا چاہیے''۔ (مطالعہ سلیمانی ص ۱۳۸)

ماضی قریب کے ہندوستانی علماء میں مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب، مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اس سلسلہ میں جو کوششیں کی ہیں وہ نہ صرف لائق تحسین بلکہ قابل تقلید بھی ہیں، اور ان کے کام کو آگے بڑھانا اور پھر اس طرح کے کام کو باہم مربوط کرنا بلاشبہ وقت کا اہم تقاضہ ہے، .... میں اس موقع پر اپنے اس احساس کو چھپا نہیں سکتا کہ ان دونوں سیمنار کے لیے طلب کے گئے مقالات سے اندازہ ہوا کہ ہمارے علماء میں اب بھی علم و تحقیق کا مزاج اور تلاش و جستجو کا ذوق ہے، ان کے اندر نئے مسائل پر نئے انداز سے سوچنے، لکھنے اور قدیم و جدید فقہی کتابوں کے ذخیرہ سے استفادہ کی بھرپور صلاحیت موجود ہے۔

(مجلّہ فقہ اسلامی، سیمینار نمبر ۲ ص ۱۳، ۱۵، مطبوعہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

فصل (۲)

چند علمائے دیوبند وسہارنپور کا مختصر تذکرہ

سرپرست دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا تذکرہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تعارف میں ہم یہاں وہ عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو تذکرہ علماء ہند کی شاہکار کتاب ''نزهة الخواطر'' سے ماخوذ ہے جو اعتدال وتوازن، عدل وانصاف اور حقیقت بیانی میں سیرت وسوانح پر لکھی گئی کتابوں میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔

''اتباع شریعت، پیروی سنت اور سلوک ومعرفت میں بڑے بلند مرتبہ کے مالک اور بڑی خصوصیات کے حامل تھے، بدعت کی مخالفت، شعائر اسلام کا احترام، سنت کی ترغیب، حکم شرعی کی تلقین اور عزیمت پر عمل کرنے میں اللہ کی نشانیوں میں ایک نشانی تھے، حق کے معاملہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، منکرات پر کبھی خاموش نہ رہتے، دین کے مسئلہ میں ادنیٰ تحریف برداشت نہ کرتے، شریعت کے معاملہ میں مداہنت کبھی گوارہ نہ کرتے۔

تواضع ان کی فطرت، حق ان کی علامت اور نرمی ان کا خاصہ تھی، صحیح بات معلوم ہونے پر اپنی رائے واپس لینے میں انہیں کوئی عار محسوس نہ ہوتا تھا، علم وعمل تعلیم وتربیت، تزکیۂ نفس، احیاء سنت اور محوِ بدعت میں وہ ہمیشہ آگے رہتے تھے۔ (بصائر ص ۳۰)

محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان کے ان چیدہ علماء، نامور فقہاء اور محدثین عظام میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا بھی نام نامی قابل ذکر ہے، آپ نے حدیث شریف کا علم پورے اتقان وتدبر کے ساتھ حاصل کیا تھا،............ ۱۳۲۵ھ میں آپ کا مظاہر العلوم کے مہتمم (صدر مدرس) کی حیثیت سے تقرر ہوا، اور آپ نے ساری توجہ اسی پر مرکوز کردی، ۱۳۴۲ھ میں آپ ہندوستان چھوڑ کر حرمین شریفین روانہ ہوگئے اور وفات تک وہیں مقیم رہے، آپ کی ایک بڑی آرزو یہ تھی کہ آپ سنن ابی داؤد کی شرح لکھیں، چنانچہ آپ نے ۱۳۳۰ھ میں اس مبارک کام کا آغاز کیا اور آپ کے شاگرد رشید شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے اس مبارک کام میں آپ کا تعاون کیا، مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے اپنی ساری توجہ مواد جمع کرنے، اس کی تنقیح کرنے اور املاء کرانے پر مبذول کررکھی تھی، اس کے علاوہ آپ کو نہ تو کسی کام کا خیال آتا تھا، اور نہ کسی کام میں لطف ومزہ، ۱۳۴۴ھ میں حجاز مقدس کے اپنے آخری سفر تک آپ اسی کام میں منہمک رہے، نصف محرم الحرام ۱۳۴۵ھ میں آپ نے مدینہ منورہ کی مبارک سرزمین پر قدم رکھا اور کتاب کی تکمیل میں مشغول ہوگئے، شعبان ۱۳۴۵ھ میں آپ اس کام سے فارغ ہوئے، سنن ابوداؤد کی یہ شرح پانچ بڑی جلدوں میں مکمل ہوئی، اور بذل المجهود فی سنن ابی داؤد'' کے نام سے منظر عام پر آئی، حدیث سے اشتغال رکھنے والوں نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے علمی وتحقیقی کاموں میں اس سے بہت استفادہ کیا، یہ کتاب آپ کے علم ومطالعہ کا نچوڑ اور آپ کے ذوق وشوق کی آئینہ دار ہے، اس کتاب کی تالیف میں آپ نے سخت محنت وجاں فشانی، اور علمی جستجو کی مشقت برداشت کی، اور اس میں اپنی جان کھپائی، بالآخر عبادت وتلاوت اور ذکر ومراقبہ میں ہمہ تن مشغول رہ کر داعئ اجل کو لبیک کہا۔ (بصائر ص ۳۵ و ۳۶)

فقیہ النفس حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی شان فقاہت اور فقہی بصیرت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

دینی مناصب وفرائض اگر چہ سب اہم، نازک اور عظیم ذمہ داری کے کام ہیں اور ان کے لیے بڑی صلاحیتوں، علم و باخبری اور احساس ذمہ داری کی ضرورت ہے............لیکن ان فرائض اور دینی مناصب میں سب سے زیادہ وسیع و دقیق نازک اور پیچیدہ کام جس کے لیے صرف علم و ذہانت، مطالعہ کی وسعت، صلاح وتقویٰ، امانت و دیانت اور ذکاوت و ذہانت ہی کی ضرورت نہیں، اس موضوع سے گہری مناسبت، رسوخ فی العلم ورسوخ فی الدین، کتاب وسنت، فقہ واصول فقہ میں اختصاصی مہارت ہی کی ضرورت نہیں بلکہ طبع سلیم فہم مستقیم، فطرت صحیحہ جس کو حقائق تک بلا کدوکاوش رسائی ہو جاتی ہو اور جس میں اعتدال وتوازن کا مادہ ودیعت کیا گیا ہو، پھر قدیم وجدید علمی ذخیرہ پر اطلاع وواقفیت کے ساتھ اہل زمانہ کے طبائع سے بھی واقفیت، عرف سے بھی باخبری جس کو فقہاء نے بڑی اہمیت دی ہے، اور اس کا لحاظ کیا ہے، ''تیسیر'' کے حدود کی نگہداشت اور ''عموم بلویٰ'' کی صحیح تعریف اور اس کے لحاظ کے فقہی شرائط سے آگاہی، اپنے زمانہ کے معاملات وعقود، تعلقات کی نوعیت، نوایجاد چیزوں کی شرعی حیثیت، تغیرات زمانہ اور ان کے شرعی احکام سے واقفیت، اور ان کے لحاظ کے حدود سے آگاہی اور سب سے بڑھ کر مقاصد شریعت اور حکمت تشریع کا علم بھی ضروری ہے، جو استنباط مسائل کی روح اور قیاس واستحسان اور مصالح مرسلہ کی نگہباں اور پاسبان ہے، یہ علم جس کے لیے اتنی صفات و شرائط درکار ہیں اور جس کا کام اتنا نازک اور پیچیدہ ہے علم قضاء وافتاء ہے۔

ہمارے اس عہد میں جن چیدہ اور برگزیدہ علماء کو اس دولت علم وحکمت دین سے بہرۂ وافر ملا ہے جس کو حدیث صحیح میں ''**من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین**'' کے عمیق وجامع الفاظ سے ادا کیا گیا ہے، ان میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ خاص مقام رکھتے ہیں............حضرت کو فقہ میں وہ مقام حاصل تھا جس کو فقہ النفس اور اس کے حامل ومتصف کو ''فقیہ النفس'' کے لفظ سے ہماری قدیم کتابوں میں یاد کیا گیا ہے، اوپر جن نازک شرائط اور اعلیٰ صفات کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہمارے علم وواقفیت کی حد تک حضرتؒ میں پائی جاتی تھیں۔

(پیش لفظ فتاویٰ خلیلیہ جلد اول ص ۳و۴)

سرپرست دارالعلوم دیوبند حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا تذکرہ

دارالعلوم دیوبند کے سرپرستوں اور اس سے انتساب رکھنے والے علماء میں مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی امتیازی مقام رکھتے ہیں، ان کے تذکرہ اور تعارف میں ہم ''نزھۃ الخواطر'' ہی کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں:

''آپ ہندوستان کے نامور عالم اور عظیم مصلح تھے، تعلیم وتربیت، ارشاد وتوجیہہ، تزکیۂ نفس اور اصلاح احوال میں آپ مرجع خلائق تھے، لوگ اپنے مسائل لے کر آپ کے یہاں حاضر ہوتے اور آپ کے چشمۂ علم وعرفان سے سیراب ہو کر واپس جاتے، دلوں کا روگ اور باطنی امراض لے کر آپ کی خدمت میں پہنچتے اور آپ کے حکیمانہ ارشادات سے شفایاب ہو کر اپنے گھروں کو لوٹتے، ہزارہا انسانوں کو آپ کے پند ونصائح، مواعظ ومجالس اور کتب ورسائل سے سنت کی پیروی اور شریعت کی اتباع کی توفیق ملی، اور جاہلی عادات، مشرکانہ اعتقادات اور غیر اسلامی رسم ورواج سے جو ہندوؤں سے قدیمی روابط کی بنا پر مسلم معاشرے میں سرایت کر گئے تھے، اور غم ومسرت کے موقع پر ان کے مظاہر کثرت سے دیکھنے میں آتے تھے، نجات حاصل ہوئی۔

آپ نے تصوف وطریقت کو عام فہم اور آسان زبان میں پیش کیا، زندگی پر اس کی تطبیق کی اور مقاصد اور وسائل کا فرق واضح کیا، آپ کے

چھوٹے بڑے رسائل اور ضخیم ومختصر تصانیف کی تعداد آٹھ سو تک پہنچتی ہے‘‘۔ (نزھۃ الخواطر، بصائر ص ۳۱)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنے مختصر رسالہ ’’سلاسل اربعہ‘‘ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات اور تصانیف کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

’’زندگی کو اسلامی قالب میں ڈھالنے اور صحیح مقاصد زندگی معلوم کرنے کے لیے .... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کا مطالعہ کیا جائے‘‘۔ دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

’’جولوگ اردو پڑھ سکتے ہیں وہ علماء حق خصوصاً مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہ کی کتابیں اور رسائل پڑھیں‘‘۔ (سلاسل اربعہ ص ۶)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی ہمہ گیر شخصیت اور مجتہدانہ شان

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) کے علمی وفقہی کارناموں کے تفصیلی بیان کے لیے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، مشہور ہے کہ مولانا کی چھوٹی بڑی تصانیف تقریباً ایک ہزار ہیں، جن میں تفسیر، تصوف، فقہ، شرح حدیث اور حکمت اسلام جیسے موضوعات پر سیر حاصل بحثیں ملتی ہیں لیکن یہاں ان کی صرف فقہی خدمات کا مختصر تذکرہ کرنا ہی اس وقت پیش نظر ہے، مولانا کی مقبول عام کتاب ’’بہشتی زیور‘‘ کے علاوہ ان کے فتاویٰ (مسمیٰ بہ امداد الفتاویٰ) کا سات جلدوں پر مشتمل عباداتی، تمدنی، معاشرتی، معاملاتی وغیرہ سوالات کے جوابات کا بیش قیمت اور عظیم ذخیرہ ہے۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ عصر حاضر کے بہت سے پیچیدہ مسائل کا ان میں نہ صرف حل پیش کیا گیا ہے بلکہ ایسی اصولی ہدایات ملتی ہیں جن سے آئندہ سے اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے رہنمائی کا پورا سامان ہے، چنانچہ کسی بھی نئے پیش آمدہ مسئلہ کا حل دریافت کرنے کے لیے آج کے علماء وفقہاء ان کی تحقیقات وہدایات سے استفادہ کیے بغیر ایک قدم آگے بڑھانا مشکل سمجھتے ہیں، مولانا کی زمانہ شناسی اور احساس وفکر مند طبیعت کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ’’الحیلۃ الناجزۃ‘‘ ہے، جس میں دنیا بھر کے معتمد علماء کی آراء جمع کرکے آج کی مظلوم منکوحہ عورت کی متعدد دشواریوں کا آسان حل پیش کیا گیا ہے۔ (تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص ۱۱)

احقر راقم الحروف ایک مرتبہ حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی (وکیل کلیۃ الشریعۃ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) دامت برکاتہم کے ساتھ ندوہ سے واپس ہورہا تھا احقر کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی ’’فقہ حنفی کے اصول وضوابط‘‘ جو حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے فتاویٰ وملفوظات اور مواعظ اور دیگر تصنیفات سے اخذ کرکے مرتب کی گئی ہے، شیخ موصوف نے احقر کے ہاتھ سے وہ کتاب لی اور اس کے مطالعہ میں محو ہوگئے اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ اس کتاب کی تعریب ہونی چاہیے اور علماء عرب تک اس کو پہنچانا چاہیے تاکہ ان کو معلوم تو ہو کہ ہندوستان میں ایسے متبحر علماء وفقہاء ہیں اور یہ ان کے علوم اور نادر تحقیقات ہیں۔

مظاہر علوم سہارنپور

شہر سہارنپور میں ایک دوسری عظیم دینی درسگاہ ’’مدرسہ مظاہر العلوم‘‘ ہے، کثرت طلباء اور علوم دین سے شغف کے اعتبار سے دارالعلوم دیوبند کے بعد اسی کا نام آتا ہے، .... مدرسہ مظاہر العلوم اپنی خصوصیات وروایات، اصول اور عقائد کے لحاظ سے دارالعلوم دیوبند ہی کا ہم

مسلک ہے، یہاں سے بھی بڑی تعداد میں علماء اور علم دین کے مخلص خدمت گزار فارغ ہوکر نکلے ہیں، جنہوں نے خاص طور پر فن حدیث کی بڑی خدمت کی ہے، اور متعدد کتب حدیث کی شرحیں ان کے قلم سے نکلیں ہیں، یہاں کے اساتذہ وطلباء اپنے سادہ طرز معیشت اور قناعت اور دینی استقامت میں بہت ممتاز ہیں۔

(ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی تجزیہ ص۱۲۰)

علماء مظاہر علوم سہارنپور کا فیض حجاز مقدس، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارنپوری (امین عام جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور) نے اپنی کتاب ''علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات''میں یہ عنوان مقرر کیا ہے۔

''علمائے مظاہر علوم سہارنپور، حرمین شریفین نیز مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ اور مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ میں''

اس عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں: مدرسہ مظاہر علوم کے فضلاء اور فارغین کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے جنہوں نے علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد سرزمین حرمین شریفین میں دینی خدمات انجام دیں اور وہاں کی علمی مسندوں پر بیٹھ کر مظاہر علوم کی شہرت اور نیک نامی میں بیش قیمت اضافہ کیا اور گویا مظاہر علوم کی چہار دیواری سے مکی ومدنی پیغام لے کر دوبارہ انہی مقامات پر جاکر اس کو پھیلایا اور اس کی نشر واشاعت کی جس کے نتیجہ میں علماء کی ایک بڑی جماعت وہاں تیار ہوئی، اس طور پر مظاہر علوم کا تعلق حرمین شریفین سے مزید مستحکم اور مضبوط ہوگیا۔

(علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات ص۳۰۶ ج۱)

اس کے بعد ۲۹ فضلاء مظاہر علوم کا مختصر تعارف کے ساتھ ذکر کیا ہے جنہوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں احادیث مبارکہ اور دیگر علوم شرعیہ کی تدریس کے ذریعہ فیض پہنچایا، جن میں سے صرف چند کا تذکرہ بطور نمونہ کیا جاتا ہے، باقی تفصیل اصل کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہ

.................محرم الحرام ۱۳۲۹ھ میں جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء ومشائخ کی درخواست پر آپ نے ''مدرسہ علوم شرعیہ''میں درس دینا شروع کیا، لیکن جب جگہ ناکافی ہوگئی تو یہی درس بعد نماز عصر مسجد نبوی میں ہونے لگا، اس سفر میں علماء کی ایک بڑی تعداد آپ کے درس حدیث سے فیض یاب ہوئی، اور انہوں نے باقاعدہ مسلسلات پڑھ کر آپ سے اجازت حدیث لی۔

۱۳۳۳ھ میں جب آپ دوسری مرتبہ حجاز تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ پہنچ کر ۱۵؍صفر ۳۳ھ میں ترمذی شریف اور ہدایہ کا درس شروع فرمایا، یہ درس تقریباً آٹھ ماہ ہوا، اس میں مدینہ منورہ کے اعیان ومشائخ اور مدرسہ علوم شرعیہ کے اساتذہ حدیث خصوصیت سے شریک ہوتے تھے۔

آپ کا آخری سفر حجاز ۱۳۴۵ھ میں ہوا، اس مرتبہ آپ نے علمائے مدینہ منورہ کے اصرار پر ان کو سنن ابی داؤد شریف پڑھائی، کیونکہ بذل المجہود کی تالیف کی وجہ سے وہاں کے علماء ومشائخ اس کتاب پر آپ کی وسعت نظر اور فن حدیث میں مہارت وحذاقت کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر چکے تھے، مدرسہ علوم شرعیہ (جس کے آپ سرپرست تھے) آپ کی اقامت گاہ تھا، وہیں آپ یہ درس دیتے تھے۔

مولانا سید احمد صاحب مدنی برادر اکبر حضرت اقدس مدنی نوراللہ مرقدہ (بانی مدرسہ علوم شرعیہ)، مولانا شیخ عمری مالکی (استاذ حرم نبوی) اور دیگر اساتذہ حرم نبوی بھی بڑے ذوق وشوق سے آپ کے درس میں شرکت فرماتے تھے۔ (علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات ص۳۰۷ ج۱)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

............۱۳۸۳ھ سے آپ کا قیام اکثر وبیشتر اور ۱۳۸۸ھ سے مستقلاً وہاں ہوگیا، تو مستفدین اور تلامذہ کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگیا، وہ علمائے مصر وحجاز جو ایک طویل عرصہ سے آپ کی تصنیفات حدیث بالخصوص "أوجز المسالک شرح موطا مالک" سے محظوظ و منتفع ہو رہے تھے، اور مصنف کتاب سے ملنے کے خواہش مند تھے، ایسے حضرات نے آپ سے اجازت حدیث لینی شروع کی، اور اتنی کثرت کے ساتھ آپ کی طرف ان کا رجوع ہوا کہ اب ان کی صحیح اور تحقیقی تعداد کی تعیین بھی مشکل ہے، تاہم بطور نمونہ چند عالی مرتبہ علمائے حجاز کے اسماء گرامی یہاں پیش کیے جاتے ہیں، ان حضرات نے تحریری طور پر حضرت شیخ سے اجازت حدیث لی ہے۔

(۱) فضیلۃ الاستاذ شیخ مصطفیٰ بن حسنی السباعی (استاذ کلیۃ الشریعۃ جامعہ دمشق)
(۲) شیخ سلیم بن سالم فلسطینی
(۳) شیخ سید محمود بن السید نذیر الطرازی المدنی الحنفی (استاذ حرم نبوی شریف مدینہ منورہ)
(۴) شیخ محمد شعیر الیمنی المروعی المکی (استاذ مدرسہ صولتیہ، مکۃ المکرّمۃ)
(۵) سید البخاریین محمد ابراہیم ابن سعد اللہ بن ملا عبد الرحیم الفضلی الحنفی المدنی
(۶) استاذ سید محمد علوی مالکی (استاذ حرم شریف مکۃ المکرّمہ۔ لکچرار ملک عبد العزیز یونیورسٹی مکۃ المکرّمۃ)
(۷) شیخ طٰہٰ برکاتی (استاذ معہد الحرم ورئیس المفتشین مسجد الحرام مکۃ المکرّمۃ، سعودی عربی)
(۸) شیخ سراج احمد برمادی (عضو ہیئۃ الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، مسجد النبوی الشریف، مدینۃ المنورۃ)
(۹) الشیخ القاضی محمد حافظ بن موسیٰ کردی مدینہ منورہ
(۱۰) شیخ عبد القادر علانی بخاری، مدینہ منورہ

(علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات ص۳۱۰ ج۱)

مولانا الحاج مفتی عبد الکریم صاحب گمتھلوی

مظاہر علوم سے آپ کی فراغت ۱۳۳۹ھ میں ہوئی آپ نے سفر حج کے دوران مسلسل آٹھ ماہ مدینہ منورہ قیام فرما کر مدرسہ علوم شرعیہ میں مسلم شریف، موطا امام مالک، ہدایہ اور دوسری اہم کتابوں کا درس دیا، حرم نبوی شریف کے اساتذہ بھی آپ کے درس میں شریک ہونے کے لیے آتے اور آپ کی علمی تحقیقات اور فنی معلومات سے مستفید ہوتے اور پھر حرم نبوی شریف میں اپنے حلقہ درس میں وہ علوم ومعارف نقل کرتے تھے۔

(علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات ص۳۱۲ ج۱)

مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ

............حرم مکی شریف میں ریاض الصالحین، مشکوٰۃ المصابیح، البدایۃ والنھایۃ تفسیر ابن کثیر اور حرم نبوی شریف میں الترغیب و الترھیب، ریاض الصالحین کا درس بارہا دیا، دونوں جگہ کے علماء ومشائخ آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے، ایک زمانہ میں مدرسہ صولتیہ کے استاذ حدیث بن کر وہاں آپ نے بخاری شریف کا درس بھی دیا، جس میں دور دراز کے طلباء شریک ہوتے تھے، مولانا کے اس دور کے تلامذہ میں شیخ ذکی ملائی بھی ہیں جنھوں نے بعد میں ازہر میں تعلیم حاصل کی اور پھر اپنے ملک کی ایک اونچی شخصیت بن کر بلند عہدہ پر فائز ہوئے۔

(علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات ص۳۱۷ ج۱)

محدّث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ

محدث کبیر حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ (شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور) جن کی وفات کو ابھی پورے دو سال بھی نہیں گذرے، فن حدیث میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کمال اور تبحر عطا فرمایا تھا کہ وقت کے کبار علماء ومشائخ اور اساتذہ حدیث بھی آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے، اور عالم اسلام کے کبار علماء واساتذہ کی بڑی تعداد ہے جن میں حرم مکی حرم مدنی اور مدینہ یونیورسٹی کے اساتذۂ حدیث بھی شامل ہیں جنہوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے اجازتِ حدیث اور شرف تلمذ حاصل کیا، نیز حضرت شیخ کی علمی مجلسوں اور مذاکروں سے خوب خوب مستفید ہوتے رہے، جن کی تعداد تقریباً سو تک پہنچتی ہے، محترم جناب مولانا سید محمود حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ''سوانح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ'' میں مشہور علماء عرب کے تعارف کے ساتھ اس کی تفصیل ذکر فرمائی ہے، **فجزاه الله خير الجزاء**۔

عالم اسلام کے چند مشہور علماء واساتذۂ حدیث جنہوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے اکتساب فیض کیا اور اجازت حدیث حاصل کی ان میں سے چند کے نام جو احقر کو معلوم ہوسکے درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ خالد بن مرغوب بن محمد امین (**استاذ الحديث الشريف فی الجامعة الاسلامية فی المدينة المنورة**)

(۲) شیخ احمد عاشور (**المدينة المنورة**)

(۳) شیخ حامد بن احمد بن اکرم البخاری (**المدينة المنورة**)

(۴) شیخ صفوان داوٗدی (**المدينةالمنورة**)

(۵) شیخ عبد اللہ التوم (مکۃ المکرّمۃ)

(۶) محمد زیاد التکلۃ (ریاض)

(۷) مساعد الظہر انی (دمشق)

(۸) شیخ عمر بن موفق (دمشق)

(۹) شیخ وائل حنبلی (ترکی)

(۱۰) شیخ نظام یعقوبی (بحرین)

(۱۱) شیخ فرید بن علی الباجی (التیونس)

(۱۲) شیخ علی بن احمد الخلفاوی (الجزائر)

(۱۳) شیخ محمد بن ناصر العجمی (کویت)

(۱۴) شیخ عادل یمنی (یمن)

(۱۵) شیخ محمد بن احمد حریری (جدۃ)

(۱۶) شیخ عمر بن محمد سراج بن احمد حبیب اللہ (جدۃ)

(۱۷) شیخ احمد بن عباس المعمری (جدۃ)

(۱۸) قطر کے علماء اور روٗساء وحکام کی بڑی جماعت

فصل (۳)

اکابر ندوہ کا اکابر علماء دیوبند سے علمی وروحانی استفادہ اور شرف تلمّذ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اپنے والد ماجد جناب مولانا حکیم سید عبدالحئی حسنیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

..................اسی زمانہ ۱۳۰۳ھ کے آس پاس آپ نے کچھ عرصہ کانپور میں بھی قیام کیا اس وقت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب جامع علوم پٹکاپور میں صدر مدرس تھے، آپ نے مولانا سے کچھ حصہ اصول الشاشی کا اور کچھ حصہ شرح جامی اور شرح قطبی کا پڑھا، مولانا تھانویؒ کو مولانا سید عبدالحئیؒ کا وہ زمانہ جب وہ کانپور میں طالب علم تھے باوجود امتداد زمانہ کے یاد تھا اور ان سے تعلق خاطر تھا۔ (حیات عبدالحئیؒ ص ۵۴)

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب حسنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے آپ (یعنی حضرت مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحبؒ) کانپور گئے، وہاں حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور ان کی شفقتیں ومحبتیں لیں۔ (مقدمہ کتاب حدیث نبوی ص ۱۶)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ اپنے بڑے بھائی جناب ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وہ (یعنی حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحبؒ) دراصل قدیم اور جدید دونوں علوم کے ماہر اور پورے فارغ تھے، ندوہ میں پڑھا اور باقاعدہ سند بھی حاصل کی، پھر دیوبند گئے اور مولانا انور شاہ کشمیری اور حضرت شیخ الہند سے حدیث پڑھی اور عربی میں درس کو قلمبند کیا، ان حضرات نے اس کو پسند فرمایا تھا۔ (مجالس حسنہ مرتبہ مولانا فیصل احمد صاحب ندوی بھٹکلی ص ۲۷۸)

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

بھائی صاحب قدیم وجدید دونوں کے جامع تھے، انہوں نے باقاعدہ ندوہ اور دیوبند میں تعلیم حاصل کی، پھر میڈیکل کالج میں پڑھا اور مولانا سید طلحہ صاحب سے بھی درس نظامی کے فارغ نحو وصرف وغیرہ میں اچھی دستگاہ تھی۔ (مجالس حسنہ مرتبہ مولانا فیصل احمد صاحب ندوی بھٹکلی ص ۴۶۹)

ہمارے خاندان میں ندوہ ودیوبند کا اختلاف نہیں تھا

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ کا دارالعلوم دیوبند سے استفادہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ارشاد فرمایا:

ہمارے خاندان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ ندوہ اور دیوبند کا اختلاف نہ رہے، چنانچہ والد صاحب نے بھائی صاحب کو ندوہ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد حضرت شیخ الہند اور علامہ کشمیریؒ سے حدیث کا درس لینے کے لیے دیوبند بھیجا، بھائی صاحب نے پھر ہمیں دیوبند بھیجا، چار مہینے وہاں ہمارا قیام رہا، حضرت مدنیؒ سے بھائی صاحب کے تعلقات تھے، اس بناء پر ہم کو بہت قریب رکھتے تھے، اپنے ساتھ ہی کھانا کھانے کے لیے کہتے، حضرت مدنیؒ کے درس میں، ہم پابندی سے شریک رہتے، اس دوران حضرت مولانا قاری نصیرالدین صاحب سے کچھ تجوید کی بھی مشق کی۔

مولانا شبیر احمد عثمانی کے حواشی سے ہم نے استفادہ کیا تھا، ایک دفعہ ہم نے ان سے کہا کہ آپ کی تفسیر کی قدر وہ جانے گا جس کی نظر کتب تفسیر پر ہو، مولانا نے کہا کل چائے ہمارے ساتھ پینا، گویا یہ بات ان کو پسند آئی، بات بھی کچھ ایسی ہے، اختصار کے ساتھ تمام ضروری مباحث اس میں آگئے ہیں۔ (مجالس حسنہ مرتبہ مولانا فیصل احمد صاحب ندوی بھٹکلی ص ۳۲۹)

ہمارے خاندان میں ندوہ اور دیوبند کا کوئی تعصب نہ تھا

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ارشاد فرمایا:

ہمارے گھر میں ندوہ اور دیوبند کا کوئی تعصب نہیں تھا، جب کہ والد صاحب ابتداء ہی سے ندوہ سے متعلق ہو گئے تھے اور اس کے بڑے داعی سمجھے جاتے تھے، مگر بھائی صاحب نے جب ندوہ میں تعلیم مکمل کی، تو والد صاحب نے ان کو حضرت شیخ الہند اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے حدیث پڑھنے کے لیے دیوبند بھیجا، وہاں انہوں نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور سند بھی لی، درس کی تقریر عربی میں قلمبند کی تھی، ان حضرات نے اس کو پسند بھی کیا تھا، یہ تقریر یہاں ہمارے پاس تھی، کسی نے پڑھنے کے لیے لی اور آج تک واپس نہیں آئی، اس کا ہمیشہ افسوس رہے گا، بڑے کام کی چیز تھی۔

(مجالس حسنہ مرتبہ مولانا فیصل احمد صاحب ندوی بھٹکلی ص ۱۷۱)

دیوبند کا شعار اور مسلک دیوبند کا خلاصہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

تمسک بالدین، مسلک احناف کی سختی سے پابندی، اسلاف کی روایات کی حفاظت اور سنت کی مدافعت دیوبند کا شعار ہے۔

(ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی تجزیہ ص ۱۱۹)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جلسہ میں............اخیر میں ہم نے کہا کہ دیوبندیت (یعنی دیوبند کا اصل مسلک ومنہج جس پر دیوبند قائم ہے وہ) چار چیزوں کا مجموعہ ہے:

(۱) توحید کامل اور دینی غیرت وحمیت

(۲) اتباع سنت

(۳) تزکیہ واحسان، ذکر اور تعلق مع اللہ کی فکر

(۴) اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ اور کوشش

پاکستان کے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم (سابق وزیر اعلیٰ صوبۂ سرحد پاکستان) جو پاکستان میں مسلک دیوبند کے اہم نمائندہ سمجھے جاتے تھے، اور ہندوستان میں عرصہ تک مدرسہ شاہی مراد آباد میں تدریسی خدمات انجام دے چکے تھے، میری تقریر کے معاً بعد کھڑے ہوئے اور میری تائید میں مختصر تقریر کی اور فرمایا کہ دیوبندیت کی تعریف میں جو کچھ کہا گیا وہ سو فیصدی صحیح ہے۔

(مجالس حسنہ مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۱۶، مقدمہ، زندہ رہنا ہے تو میر کارواں بن کر رہو ص ۷، ۸، مطبوعہ مکتبہ حراء ٹیگور مارگ لکھنؤ)

دیوبند اور ندوہ کا بنیادی مسلک ایک ہی ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ارشاد فرمایا:

ہم صاف کہتے ہیں کہ ہمارا مسلک وہی ہے جو شاہ ولی اللہ اور آپ کی اولاد وخلفاء کا تھا، سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کا تھا اور جس پر علمائے دیوبند حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قائم تھے اور پھر آخر میں حضرت مدنی اور حضرت رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ جس پر تھے۔ (مجالس حسنہ مرتبہ مولانا فیصل احمد صاحب ندوی بھٹکلی ص ۳۹۰)

نیز ارشاد فرمایا:

آپ لوگوں کو شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے خاندان سے شاہ اسماعیل شہید اور اسی طرح مجدد الف ثانی سے تعلق اور عقیدت پیدا کرنی چاہئے یہاں سے یہ چیز لے جانی چاہئے، ہمارے سارے مدارس: دیوبند، سہارنپور، ندوۃ العلماء سب انہی کے مسلک پر قائم ہوئے ہیں، ان سب کی اساس یہی ہے اگرچہ نصاب اور انتظام میں کچھ اختلاف ہو۔ (مجالس حسنہ مرتبہ مولانا فیصل احمد صاحب ندوی بھٹکلی ص۲۹۶)

مسلک دیوبند سے کبھی نہ ہٹنا، اکابر دیوبند کے مسلک کو تھامے رہنا، ندوہ کا بھی یہی مسلک ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ارشاد فرمایا:

مولانا احمد علی نے ایک خط میں ہمیں لکھا کہ حضرات دیوبند کے مسلک سے کبھی نہ ہٹنا، وہ علمائے دیوبند سے بڑے متاثر تھے، خصوصاً آخر میں مولانا مدنی کے ساتھ بڑی عقیدت ہوگئی تھی۔

(مجالس حسنہ مرتبہ مولانا فیصل احمد صاحب ندوی بھٹکلی ص۲۰۳)

مجالس حسنہ (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ملفوظات) میں ہے:

''حضرت مولانا عبدالوحید صاحب فتح پوریؒ کے دو صاحبزادے آئے ہوئے تھے.................انہوں نے مجلس کے اختتام پر حضرت سے کچھ نصیحت کے لیے کہا تو حضرت نے فرمایا:

- ☆ استغناء کو اپنا شعار بنانا
- ☆ اہل دنیا سے تعلق نہ رکھنا
- ☆ ان کی دولت سے اجتناب کرنا
- ☆ اکابر دیوبند و مظاہر علوم کے مسلک کو تھامے رکھنا، اس کو کبھی نہ چھوڑنا، ہمارے ندوہ کا بھی یہی مسلک ہے۔
- ☆ اپنے مدرسہ کے طلباء کو بھی اس کی تاکید کرنا
- ☆ باطل تحریکات سے پوری طرح باخبر رہنا

(مجالس حسنہ مرتبہ مولانا فیصل احمد صاحب ندوی بھٹکلی ص۶۵۰)

الحمد للہ دیوبند اور ندوہ کی خلیج پٹ گئی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ارشاد فرمایا:

ابھی دو دن قبل سہارنپور سے مولوی طلحہ کا خط آیا ہے اس میں انہوں نے اس واقعہ کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ آپ نے حضرت سے اس طرح فرمایا تھا کہ- آپ مظاہر علوم کو جس نظر سے دیکھتے ہیں ندوۃ العلماء کو بھی اسی نظر سے دیکھیں- اب ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ آپ جس نظر سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کو دیکھتے ہیں مظاہر علوم کو بھی اسی نظر سے دیکھیں۔

فرمایا: اس وقت سے الحمد للہ دیوبند اور ندوہ میں جو خلیج تھی، پٹ گئی یا ہلکی ہوگئی، یہاں سے لوگ جانے لگے اور وہاں سے آنے لگے۔

(مجالس حسنہ مرتبہ مولانا فیصل احمد صاحب ندوی بھٹکلی ص۲۲۱)

ندوہ کی یہ خصوصیت ہمیشہ باقی رہنی چاہئے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ارشاد فرمایا:

کیا کہا جائے، ندوہ کا ماحول، بھائی صاحب کی تربیت اور بزرگوں کی صحبت کا اثر ہے کہ ہر شخص کے امتیاز اور تفرد کا اعتراف کیا جائے، یہ اس کا حق ہے، اس کا اعتراف نہ کرنا اور اس کو چھپانے کی کوشش کرنا اس پر ظلم ہے، یہ بات ہمارے یہاں کے قدیم فضلاء میں تھی، علامہ سید سلیمان ندوی جیسا علامۂ دہر اور مولانا عبدالباری ندوی جیسا فلسفے کا ماہر، لیکن حضرت تھانوی سے بیعت ہوتے ہیں، سب سے بڑھ کر سید سلیمان ندوی جن کی عالم میں شہرت تھی، لیکن اس کی انہوں نے پروانہیں کی کہ لوگ کیا کہیں گے، بلکہ ان کو حضرت تھانوی کے پاس وہ چیز نظر آئی جس سے ان کو فائدہ ہوسکتا ہے تو ان کے دست گرفتہ ہوگئے، یہ خصوصیت ہمیشہ ندوے میں رہنی چاہئے کہ ہر ایک کی قدر، مرتبہ شناسی اور اس کے کمال کا اعتراف ہو، خیر جہاں سے بھی ہو، فائدے کی چیز جہاں بھی نظر آئے، اس کو حاصل کرنے کی کوشش ہونی چاہیئے، یہ نہیں کہ یہ بات کس مکتب فکر سے تعلق رکھتی ہے، کس حلقہ کی طرف سے کہی گئی ہے، ہمارے گھر میں بھی الحمدللہ یہ بات رہی، بھائی صاحب نے ندوہ سے فراغت حاصل کی، لیکن والد صاحب نے ان کو حضرت شیخ الہند اور علامہ کشمیری کے درس حدیث سے استفادہ کے لیے دیوبند بھیجا، اسی طرح بھائی صاحب نے ہمیں مولانا مدنی کے پاس بھیجا۔ (مجالس حسنہ ص ۶۲۳)

اختلاف اور علیحدگی کے باوجود دارالعلوم دیوبند کی مرکزیت اور نیک شہرت کو باقی رکھا

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے دارالعلوم چھوڑنے اور ڈابھیل منتقل ہوجانے کے بعد آپ صدر مدرّسی کے منصب پر فائز ہوئے، اور دارالعلوم میں شیخ الحدیث کے منصب کے لیے بھی آپ ہی کا انتخاب عمل میں آیا، تدریسی خدمات کے ساتھ آپ صدر مدرس ہی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، آپ نے دارالعلوم کی شہرت اور مرکزیت کو برقرار رکھا اور اس پر مسلمانوں کے اعتماد میں اضافہ کیا'' (بصائر ص ۳۲)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم کے نزدیک حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی مذکورہ بالا نصیحتوں کی وقعت واہمیت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے نیز آپ کے ارشادات وملفوظات اور نصیحتوں کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

مولاناؒ نے دنیا کے مختلف علاقوں اور طبقات کو دیکھا اور پرکھا، اور بڑی شخصیات سے ملے اور دعوتی وتبلیغی دوروں میں عمومی لوگوں کو بھی دیکھا اور ان میں کام کیا، اصلاح حال کی جو شکلیں ہیں ان کو اخذ کیا اور یہ سب باتیں اپنی مجلسوں میں اہل مجلس کے سامنے لاتے رہے، اس طرح حضرت مولانا کے ملفوظات میں جو تنوع اور انسانوں کے طبائع کے اختلاف کو دیکھتے ہوئے اور دنیا کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے وہ مفید گوشے سامنے آئے ہیں جو اس کیفیت کے ساتھ ایک ہی شخصیت کے ملفوظات میں نہیں ملتے۔

حضرت مولانا کی مجالس کی یہ باتیں جو اس مجموعہ (مجالس حسنہ) میں پیش کی گئی ہیں، اپنی الگ خصوصیت رکھتی ہیں، ان سے صرف اصلاح سیرت ہی نہیں بلکہ صحیح ذہن سازی کا فائدہ بھی ہوتا ہے، خاص طور پر تعلیمی مرحلہ میں جو افراد ہیں ان کے ذہن کی تشکیل میں یہ مجموعہ بڑی افادیت رکھتا ہے۔ (مقدمہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب مدظلہ مجالس حسنہ ص ۴۷)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی دو اہم نصیحتیں

حضرت مولانا نذر الحفیظ صاحب دامت برکاتہم (استاذ ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا اپنی مجلس میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیتے تھے کہ اعتدال اور توازن کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے، فرماتے تھے کہ اعتدال کا اختیار کرنا سب سے مشکل کام ہے، اس لیے کہ اس میں انسانی نفس کی تسکین کا سامان نہیں ہوتا، مولانا ان لوگوں کو پسند نہیں کرتے تھے جو خون کا بحر احمر جاری کرنے اور سروں کو قطب مینار بنانے کی دھمکی اپنی تقریروں میں دیتے تھے۔

حضرت مولانا مسلم تنظیموں کے ذمہ داروں کو مشورہ دیتے تھے کہ وہ ملت کے مسائل کو سڑکوں پر نہ لائیں بلکہ اگر ان کا تعلق حکومت و قانون سے ہو تو قانونی اور عدالتی طریقہ کار اختیار کریں، اشتعال انگیز بیانات سے پرہیز کریں، ورنہ دوسرا فریق بھی اشتعال انگیزی سے کام لے گا، تعمیر ملت کے لیے یہ ضروری ہے کہ انتہائی خاموشی اور اخلاص سے تعمیری انداز میں کام کیا جائے، اس کی کوشش نہ کی جائے کہ کسی معاملہ کو حل کرنے کا سہرا اپنے سر باندھا جائے یا اپنی جماعت کو کریڈٹ دیا جائے۔ (تقریظ حضرت مولانا نذر الحفیظ صاحب، مجالس حسنہ، ص ۵۳)

سوئے ہوئے فتنوں کو نہ جگایئے! اختلافی امور کو موضوع بحث بنا کر آگ نہ بھڑکایئے!

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی دردمندانہ نصیحت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اس وقت مسلمان جن خطرات میں گھرے، جن مسائل میں الجھے، جن چیلنجوں سے نبرد آزما اور تاریخ کے جس نازک ترین موڑ سے گزر رہے ہیں وہ ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنی طاقت و توانائی ان فروعی مسائل میں صرف کریں جو بحث و تحقیق کے مراحل سے گزر چکے ہیں، اور صدیوں سے ان پر عمل ہوتا چلا آ رہا ہے یا کسی فقہی مسلک کی کسی ایسے مسئلہ کی وجہ سے مخالفت کریں جو کوئی بنیادی اہمیت نہیں رکھتا، اس سے امت کی کوئی خدمت نہیں ہوتی، اس لیے ضرورت ہے کہ اپنی توانائی صرف تعمیری کاموں میں صرف کی جائے اور اپنی کوششوں کا محور اخلاقی بگاڑ، مشرکانہ عقائد، جاہلی رسم و رواج اور غیر اسلامی بود و باش کی اصلاح کو بنایا جائے۔

توحید اور شریعت اسلامی پر عمل کرنے والوں اور محرمات سے بچنے والوں کو صرف فقہی اختلاف کی بنیاد پر جو ہمیشہ قائم رہا ہے، ہدف تنقید بنانا ایسا ہی ہے جیسا راقم نے اپنے ایک عربی رسالہ میں لکھا ہے ''بے مقصد جہاد اور بغیر دشمن کے جنگ'' کے مرادف ہے۔

اکثریتی فرقہ کے ارادوں اور عزائم سے جو شخص بھی واقف ہے وہ بخوبی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اس ہندوستان کو جس پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکمرانی کی اور تہذیبی ثقافتی، انتظامی اور اقتصادی حیثیت سے اس کو بام عروج پر پہنچایا، ایک دوسرا اندلس (اسپین) بنانے کی پوری تیاری کی جا چکی ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کی فکری، ثقافتی، اجتماعی، تہذیبی اور لسانی اور اس کے بعد دینی و اقتصادی نسل کشی کی کوشش کا سلسلہ جاری ہے اور اس کی علامتیں نصاب تعلیم میں تبدیلی، ہندی کی جبری تعلیم، پرسنل لاء میں مداخلت یکساں سول کوڈ کے نفاذ پر اصرار، اردو زبان کی بیخ کنی، انگریزی و ہندی اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین، فرقہ وارانہ جماعتوں کے قائدین حتی کہ بعض وزراء کے بیانات و اعلانات اور ان کی پیش کردہ تجاویز، اور ان کی تیار کی ہوئی اسکیموں کی شکل میں ظاہر ہونے لگی ہیں، تو ایسے نازک وقت میں آپس میں دست و گریبان ہونا ایک بڑی ناعاقبت اندیشی اور کوتاہ نظری ہے۔ (بصائر ص ۵۵، ۵۶)

چند سبق آموز اور عبرت ناک مثالیں

ہمارے اسلاف واکابر کی روایت جس کو ہم کو باقی رکھنا چاہیے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

مسلمانوں کی پچھلی تاریخ میں ہمارے سامنے بڑی عبرت ناک مثالیں ہیں، جن ملکوں میں اسلام کا زوال ہوا یا وہاں دشمن اسلام طاقتیں غالب آئیں آپ اگر تحقیق کریں گے تو ان میں کچھ ایسی چیزیں پائیں گے جن سے اس دور میں سبق لیا جاسکتا ہے، ان میں ایک چیز تھی علماء کا شدید اختلاف اور دوسری چیز یہ تھی کہ علماء کا عوام سے رابطہ نہیں تھا، ان کی شخصیتیں اتنی مؤثر نہیں رہ گئی تھیں کہ عوام کے قلوب میں دین کا احترام اور علماء کا وقار قائم رکھتیں۔

ہمارے بزرگوں نے ملک میں دین کو بچانے کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں، اور ضرورت پڑی ہے تو اپنی غلطی تسلیم کر لی ہے اور دب گئے ہیں، جھک گئے ہیں، اور نیچے اتر آئے ہیں، انھوں نے صاف کہہ دیا ہے کہ بھائی آپ ہی اوپر بیٹھئے مگر دین باقی رہ جائے، ہمارے بزرگوں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے مسلک اور ان کے مکتب فکر کے لوگوں کی ہندوستان میں یہی روایت رہی ہے، آپ درس کے حلقوں اور علمی مجلسوں میں اختلافی مسائل پر آزادی کے ساتھ گفتگو کیجئے، ان مسائل پر کتابیں لکھئے، مگر ملک کو داؤ پر نہ لگایئے، جب کوئی ایسا محاذ قائم کیا جاتا ہے اور اس طرح کی دعوت دی جاتی ہے جس میں احساس برتری یا اظہار برتری ہوتا ہے تو اس کے مقابل دوسرا محاذ بن جاتا ہے، اور وہاں سے صدائے ''ہم چوں من دیگرے نیست'' بلند ہونے لگتی ہے، ہمارے بزرگوں کا سارا کام تواضع کے ساتھ تھا، اتہام نفس کے ساتھ تھا، ایمان واحتساب کے ساتھ تھا نہ ان کو سیادت وقیادت کا دعویٰ تھا اور نہ یہ کہ ہماری جماعت ہی نے سب کچھ کیا ہے اور ہم ہی سب کچھ ہیں۔

یہ شاہ ولی اللہ دہلوی ہی تھے اور ان کا درد تھا، اور ان کی بصیرت تھی جس نے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا، آپ ان ہی کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، اس نسبت کا تقاضہ ہے کہ ملت اور دین کے لیے جس ایثار وقربانی کی ضرورت ہے وہ پیش کیجئے اور صاف کہئے کہ اچھا بھائی تم ہی صحیح، تمہارا ہی کارنامہ سب سے بڑا ہے، ہم سب مل کر اس ملک کو بچائیں، موجودہ خطروں اور اندیشوں میں اس کی کیا گنجائش ہے کہ علماء اس طرح دست وگریباں ہوں، یہ بات میں اپنے عقائد کے پورے تحفظ کے ساتھ کہتا ہوں الحمدللہ ایک شوشہ سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں، نہ عبادت کے مسائل میں، نہ اپنے عقائد کے اصول میں، کسی چیز میں کسی مفاہمت کے لیے میں تیار نہیں، ایک تو اپنا عمل ہے اور ایک یہ کہ اکھاڑا بنا دیا جائے، عوام کو آلۂ کار بنا دیا جائے، اور سارے ملک کو میدان جنگ میں بدل دیا جائے، اس موقع پر اقبال کا شعر مجھے یاد آرہا ہے ؎

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
فقیہ و صوفی شاعر کی ناخوش اندیشی

(ایک آزاد ملک میں علماء کی ذمہ داری اوران کی مطلوبہ صفات)

(ملحقہ خطبات علی میاں ص ۷۸، ۸۱، ۸۲)

فخر ندوہ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی اہم نصیحت

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا عبدالماجد صاحبؒ کو مخاطب بنا کر ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

میری ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ مختلف اجزاء اور عناصر کو جن میں کبھی کبھی تصادم بھی ہوسکتا ہے، عفو و مسامحت اور تحمل و درگزر ہی کے مصالح سے باہم جوڑا جاسکتا ہے ورنہ دارالمصنفین کا آشیانہ چند تنکوں کے سوا کیا ہے ؎

غنچہ و گل میں دھرا کیا ہے بتا اے بلبل
جمع ہیں چند ورق، وہ بھی بکھرنے والے

براہ کرم آپ ان چند اوراق اور تنکوں کے مجموعے کو اپنے ترک التفات سے بکھرنے نہ دیں اور تیس برس کے تعلقات کو اس طرح ختم نہ فرمائیں، خدا جانے اب عمر فانی کے کئے سال باقی ہیں، اب نئے دوست ہاتھ آنے کے دن نہیں، اور کسی نئے تجربہ کی فرصت و ہمت بھی نہیں، اب ہمارے اچھے یا برے جو احباب بھی ہیں ان کے ساتھ ہی گزر کرنا ہے۔ (مکتوبات سلیمان ۱۲۸، ج ۲)

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"**تحزب وتعصب للتحزب**" مدارس کی طرح جماعت کا بھی پسندیدہ نہیں۔ **بغضک للشیئی یعمی ویصم وکذالک حبک للشیئی یعمی ویصم.** (مکاتیب سید سلیمان ص ۱۸۵)

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ کے نام ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

آپ نے حضرت مولانا (تھانوی) کے متوسلین و متبعین میں جو کمی پائی وہ کمی کب اور کہاں نہ تھی؟ مشاجرات صحابہ اور اختلافات مشائخ واکابر دیوبند میں کیا وہ چیز نہیں ملتی؟ یہ نتیجہ بدنیتی سے نہیں بلکہ خوش نیتی سے اختلاف آراء کا ہے۔ (مکتوبات سلیمان ص ۲۱۹)

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مکاتیب میں ہے کہ ایک صاحب علم نے غالباً دارالعلوم دیوبند کے لیے طنزیہ طور پر لفظ دیوبندیت استعمال کر کے کچھ اشارات و کنایات کیے تھے، اس کے جواب میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"دیوبندیت" کا واضح مفہوم میری سمجھ میں نہیں آیا، اگر مقصود شدت دینداری اور عصبیت دینی اور صورت اور سیرت میں اسلام اور مسلمانوں کی خصوصیات کا اظہار ہے تو یہ عین مطلوب ہے، اور اگر کچھ قبائح کی طرف اشارہ ہے تو وہ کنایات واشارات سے میری سمجھ میں نہیں آیا، تفصیل وتشریح کی ضرورت ہے۔ (مکاتیب سید سلیمان ص ۷۲)

تمت